وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُوْرِهِمْ يُصَلُّوْنَ (الحدیث)

عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اجماعی عقیدہ

مصنف:

خطیب اسلام
حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفِ چند)

حضرت مولانا قاری محمد اجمل خان رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ایک کتاب فضائل مدینہ منورہ بھی ہے۔ جس میں ’’عقیدہ حیات النبی ﷺ‘‘ پر بھی خامہ فرسائی کی گئی ہے۔ جو اس مجموعہ میں شامل اشاعت ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عقیدہ حیات النبی ﷺ ...... اجماعی عقیدہ

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خان رحمہ اللہ کی تصنیف ''فضائل مدینہ منورہ'' سے انتخاب

اہل سنت والجماعت کا مؤقف

(الف) قرآن مجید کی نصوص قطعیہ کی روشنی میں نبی کریم ﷺ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایک مرتبہ موت کا ورود یقینی ہے۔ ''قال اللہ تعالیٰ: کل نفس ذائقۃ الموت وقال تعالیٰ: انک میت وانھم میتون''

(ب) احادیث صحیحہ اور اجماع امت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ نبی کریم کے ساتھ یہ وعدہ قرآنی پورا ہو چکا ہے۔

(ج) وفات کے بعد آپ کے اس جسد عنصری کے ستھ جو مدینہ منورہ قبر مبارکہ میں دفن کیا گیا ہے اور جس جسم کے ساتھ آپ اس دنیا میں تشریف فرما تھے آپ کی روح مبارکہ کو ایسا تعلق ضرور حاصل ہے جس کی وجہ سے آپ کے روضہ اطہر کے پاس پڑھا جانے والا صلوۃ وسلام آپ بلا واسطہ خود سنتے ہیں۔

چند وضاحتیں: اہل سنت والجماعت کے اس مؤقف کو اچھی طرح سمجھنے اور مختلف قسم کی غلط فہمیوں سے بچنے کے لئے اس مؤقف کی وضاحت شق وار کی جارہی ہے۔

(۱) قبر شریف میں آنحضرت ﷺ کی روح مبارکہ کے جسد عنصری کے ساتھ تعلق کی وجہ سے آپ کو جو خاص نوعیت کی حیات حاصل ہے اس کے مختلف عنوان ہیں۔ کبھی اس کو حیاۃ دنیویہ کہہ دیا جاتا ہے۔ بایں معنی کہ روح کا تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ ہے جس کے ساتھ آپ اس دنیا میں تشریف فرما تھے اور اس زندگی کے بعض آثار بعض دنیوی احکام میں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جیسے آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ کسی اور کا نکاح حلال نہ ہوتا، آپ کی وراثت کا تقسیم نہ ہونا۔ اکابر کے کلام میں اسی حیات کو بعض اوقات حیات برزخیہ کہہ دیا گیا ہے اور یہ باعتبار ظرفیت کہا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ حیات آپ کو عالم دنیا سے عالم برزخ کی طرف منتقل ہونے کے بعد حاصل ہوئی ہے۔

(۲) نصوص قرآنیہ سے یہ بات تو ثابت ہے کہ آپ پر کبھی نہ کبھی موت کا ورود ہونا ہے اور احادیث واجماع سے ثابت ہے کہ آپ پر موت کا ورود ہو چکا ہے۔

(۳) اس بات پر اہل سنت والجماعت متفق ہیں کہ انبیاءؑ کی ارواح مبارکہ کا ان کے اجساد کے ساتھ کم از کم اتنا تعلق ضرور رہتا ہے کہ جس سے قبر کے پاس پیش کئے جانے والے سلام کو سن کر اس کو جواب دے سکیں۔

(۴) اہل سنت والجماعت آنحضرت ﷺ کے لئے جس حیات فی القبر کو ثابت کرتے ہیں یہ وہ حیات بسیطہ نہیں جو کائنات کی ہر چیز کو حاصل ہے۔ ''بقولہ تعالیٰ وان من شئی الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم'' بلکہ آنحضرت ﷺ کی یہ حیات فی القبر روح کے جسد عنصری کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ اہل سنت والجماعت آنحضرت ﷺ کے لئے عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع اور سلام کا جواب دینا بھی ثابت کرتے

ہیں۔ظاہر ہے کہ سننے اور جواب دینے کے لئے حیات بسیطہ کافی نہیں بلکہ اس کے لئے تعلق روح کی ضرورت ہے۔ اگر حیات بسیطہ ہی سماع وسلام وجواب کے لئے کافی ہوتی تو اہل حق میں عام مردوں کے سماع کے بارے میں کبھی اختلاف نہ ہوتا کیونکہ حیات بسیطہ تو عام مردوں کے اجساد کو بھی حاصل ہے بلکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک ان کی ارواح کو ان کے ساتھ تعلق بھی ہے اس کے باوجود عام موتی کے سماع کے اختلاف ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ سماع کے لئے صرف حیات بسیطہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے لئے قوی تعلق کی ضرورت ہے۔ نیز عام عادت میں بھی سماع سلام ورد سلام وغیرہ افعال کی نسبت جمادات وغیرہ کی طرف نہیں کی جاتی حالانکہ حیات بسیطہ ان میں بھی موجود ہے۔

پس اہل سنت والجماعت انبیاء کے لئے جس حیات فی القبر کو ثابت کر رہے ہیں وہ حیات ہے جو جسد عنصری کو بسبب تعلق روح حاصل ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے لئے حیات بسیطہ بلا تعلق روح تسلیم کرتا ہوں جو جمادات تک کو حاصل ہے تو ایسا شخص اہل سنت والجماعت کے عقیدہ کے موافق حیات النبی کا منکر اور اس پر دلالت کرنے والی آیات واحادیث کا تارک ہے۔ بلکہ اس کے اس نظریہ سے آنحضرت ﷺ کی توہین کا پہلو بھی نکلتا ہے۔

(۵) عقائد کی دو قسمیں ہیں۔ایک وہ عقائد جن کا منکر کافر ہوتا ہے۔دوسرے وہ عقائد جن کا منکر فاسق ہوتا ہے۔پہلی قسم کے عقائد کے اثبات کے لئے ظنی دلائل کافی نہیں بلکہ ان کے لئے دلیل قطعی کی ضرورت ہے۔ دوسری قسم کے عقائد کے لئے دلیل قطعی ضروری نہیں بلکہ ان کا اثبات دلائل ظنیہ سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

چنانچہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمہ اللہ نبراس میں فرماتے ہیں: ”ان المسائل الاعتقادية قسمان احدهما مايكون المطلوب فيه اليقين كوحدة الواجب وصدق النبي وثانيهما ما يكتفى فيها بالظن كهذه المسئلة والاكتفاء بالدليل الظني انما لا يجوز في الاول بخلاف الثاني“ (نبراس ص۵۹۸)

اس مسئلہ سے اہل سنت والجماعت کے دلائل کو سمجھ لینے کے بعد اہل سنت والجماعت کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں:

دلائل

<u>پہلی دلیل</u>: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع۔”ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ادام وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا على من الصلوة فان صلوتكم معروضة على قالوا يارسول الله كيف تعرض صلوتنا عليك وقد ارمت اى يقولون قد بليت قال ان الله عزوجل حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء علیہم السلام“ نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ بے شک تمہارے دنوں میں سے افضل ترین دن جمعہ کا ہے۔اسی دن آدم علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔اسی دن آپ علیہ السلام کی وفات ہوئی اسی دن نفخہ اولیٰ ہوگا اور اسی دن نفخہ ثانیہ ہوگا۔اس لئے تم اس دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود شریف بھیجا کرو اس لئے کہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا جب کہ آپ کا جسم مبارک ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔آپ نے فرمایا کہ بے شک حق تعالیٰ نے زمین پر اس بات کو حرام کر دیا ہے۔کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔

حدیث کے یہ لفظ سنن نسائی نے ج ا ص ۲۰۳، ۲۰۴ پر نقل کئے ہیں۔ امام ابوداؤد نے اپنی سنن باب تفریع ابواب الجمعہ ج ا ص ۱۵۰ پر امام دارمی نے اپنی سنن ج ا ص ۳۰۷ باب فی فضل الجمعہ میں، امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں دو جگہ ایک ص ۷۷ باب فی فضل الجمعہ عن شداد بن اوس رضی اللہ عنہ اور دوسری جگہ ص ۱۱۹ باب ذکر وفاتہ ودفنہ میں یہاں روایت کرنے والے صحابی اوس بن اوس رضی اللہ عنہ ہیں امام بیہقی نے السنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۴۹ امام حاکم نے اپنی المستدرک میں دو جگہ ایک ج ا ص ۲۷۸ کتاب الجمعہ کے شروع میں اور اس کو صحیح علی الشرط البخاری قرار دیا ہے۔ اور امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ دوسرے کتاب الھوال ج ۴ ص ۵۶۰ میں۔ اس موقعہ پر امام حاکم نے صحیح علی الشرط الشیخین کہا ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ ان تمام آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی اپنی کتابوں کے اندر اس مذکورہ بالا حدیث کی تخریج کی ہے۔

تشریح: اس حدیث کے آخری جملہ سے یہ بات صراحۃً ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے اجساد مبارکہ اپنی قبروں میں محفوظ ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح یہ حدیث حفاظت اجساد کی قائل ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی ارواح مبارکہ کا بھی ان اجساد کے ساتھ تعلق ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی کریم نے جمعہ کے دن درود شریف کی کثرت کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: "ان صلوتکم معروضۃ علی" تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔ اس کا مطلب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ سمجھے ہیں کہ صلوۃ کا یہ عرض آپ کی روح اور جسد اطہر کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی وفات سے پہلے آپ پر عروض صلوۃ میں کوئی اشکال نہ ہوا۔ لیکن اس فہم کی وجہ سے کہ بعد از وفات عرض صلوۃ پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اشکال ہوا کہ دفن ہوجانے کے بعد تو انسانی جسم ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے اور اس کو زمین کھالیتی ہے۔ وفات کے بعد آپ ﷺ کے جسد اطہر کے ساتھ بھی یہی معاملہ پیش ہوا تو آپ ﷺ پر عرض سلام کیسے ممکن ہوگا۔ اس خاص فہم کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو اشکال پیش آیا۔ انہوں نے وہ دربار رسالت میں پیش کیا۔ "قالوا یارسول اللہ کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت" آپ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ: "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" آنحضرت ﷺ کے جواب کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ تمہیں میری وفات کے بعد مجھ پر عرض صلوۃ میں شبہ دو مقدموں کے ملانے کی وجہ سے پیش آیا ہے۔ ایک یہ کہ عرض وصلوۃ روح مع الجسد پر ہوگا۔ دوسرا یہ کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کے اجساد اور عام لوگوں کے اجساد میں کوئی فرق نہیں ہوتا ہے۔ نبی کریم نے پہلے مقدمہ پر سکوت فرما کر اس کی تصویب فرمادی اور دوسرے مقدمہ کی صراحۃ تردید فرمادی۔ "ان صلوتکم معروضۃ علی" کا مطلب اگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سمجھا ہوتا کہ یہ صلوۃ صرف آنحضرت ﷺ کی روح مقدسہ پر کیا جائے گا تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا عرض صلوۃ کو روح مع الجسد کے متعلق سمجھنا غلط ہوتا تو نبی کریم ﷺ اس کی تردید فرمادیتے کہ: "ان صلوتکم معروضۃ علی" کا مطلب غلط سمجھے ہو۔ صلوۃ تو صرف روح پر پیش ہوتا ہے۔ جسم کے بوسیدہ ہونے یا نہ ہونے کا کیا سوال؟ لیکن نبی کریم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فہم پر صرف سکوت ہی نہیں فرمایا بلکہ "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل احساد الانبیاء" فرما کر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس فہم کی صراحۃ تصویب بھی

فرمادی کہ واقعی یہ عرض صلوۃ روح اور جسد دونوں پر ہوگا۔لیکن تم انبیاء کے جسموں کو عام لوگوں کے جسموں کی طرح نہ سمجھو۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوال اور آنحضرت ﷺ کے جواب سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر قبر شریف میں محفوظ ہے اور اس میں روح کے تعلق سے اتنی حیات ضرور حاصل ہے جس سے آپ ﷺ پر پیش کئے جانے والے صلوۃ وسلام کا آپ ﷺ ادراک کرسکیں۔

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ عرض صرف حیات بسیطہ کی وجہ سے نہیں ہوتا اس لئے کہ حیات بسیطہ تو جسم کے بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوجانے کے بعد بھی ان ذرات کو حاصل رہتی ہے۔اگر یہ عرض صلوۃ حیات بسیطہ کی وجہ سے ہے تو آپ جواب یہ دیتے کہ پھر کیا ہوا جو ریزہ ریزہ ہوگیا،جسم کے ذرات بھی آخر زندہ ہی ہوتے ہیں لیکن آپ نے حفاظت اجساد کی خبر دے کر یہ بات واضح فرمادی کہ یہ عرض روح وجسد کے مجموعہ پر ہوتا ہے اور روح کو جسد کے ساتھ اتنا قوی تعلق ہوتا ہے جو اس کے بوسیدہ ہونے سے مانع ہو۔

نیز اس حدیث سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ جس جسم پر بعلق روح صلوۃ وسلام پیش کیا جاتا ہے وہ یہی جسد عنصری ہے۔اگر یہ عرض جسد مثالی وغیرہ پر ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ اشکال کبھی پیش نہ آتا کہ جسم کے بوسیدہ ہوجانے کی صورت میں آپ پر صلوۃ وسلام کیسے پیش کیا جائے گا۔اس لئے کہ جسد مثالی کو تو زمین کھاتی ہی نہیں اور نہ ہی کسی کا جسد مثالی خاک میں مل کر ریزہ ریزہ ہوتا ہے۔

<u>دوسری دلیل</u>: مشکوۃ باب الجمعۃ کی فصل ثالث میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے:"قال رسول اللہ ﷺ یوم الجمعۃ فانہ مشھود ۃ بشھدہ الملائکۃ و ان احدا لم یصل علی الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منھما قال قلت و بعد الموت؟ قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق "نبی کریم نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ یہ حاضری کا دن ہے۔اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔اور جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود اس کے فارغ ہونے تک مجھ پر پیش کردیا جاتا ہے۔ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا آپ کی وفات کے بعد بھی (درود پیش ہوا کرے گا) آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسم کو کھانا حرام کردیا ہے۔لہٰذا اللہ کے نبی زندہ ہوتے ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے۔اس حدیث کی تخریج امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں باب ذکر وفاتہ ودفنہ ص ۱۱۹ میں کی ہے۔ اس حدیث سے ہمارا مؤقف دو طرح سے ثابت ہوتا ہے۔ایک تو حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے سوال اور نبی کریم کے جواب "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء" اس کی تقریر پہلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

دوسرا استدلال ہے حدیث کے آخری جملہ "فنبی اللہ حی یرزق" اس میں صراحۃ بتادیا گیا ہے کہ اللہ کے نبی کو وفات کے بعد قبر شریف میں حیات حاصل ہوگی۔اس میں حیات النبی کو فا کے ذریعے متفرع کیا گیا ہے۔ حفاظت اجساد انبیاء پر۔اس سے معلوم ہوا اس میں حیات سے مراد وہ حیات ہے جو اس جسد عنصری کی حفاظت کا نتیجہ ہے۔یعنی اس حدیث کا تعلق جسد عنصری ہے۔امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے یہ دونوں حدیثیں آنحضرت ﷺ کی

وفات کے باب میں ذکر کر کے بات یہ بتادی کہ حیات انبیاء کی احادیث وفات انبیاء بیان کرنے والی نصوص کے معارض نہیں بلکہ ان کا تکملہ ہیں۔ وفات النبی کے احوال کا ذکر اس وقت تک غیر مکمل رہتا ہے جب تک کہ اس کے ساتھ آپ کی حیات فی القبر کا تذکرہ نہ کردیا جائے۔ اس حدیث کے تمام راویوں کی بہت سے محدثین نے توثیق کی ہے اور اس حدیث کو قابل استدلال قرار دیا جائے۔ مثلاً حافظ ابن حجر نے (تہذیب التھذیب ج ۳ ص ۳۹۸) اور قاضی شوکانی رحمہ اللہ نے (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴) میں اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ روایت مرسل اور منقطع ہے۔ اس حدیث کو زید بن ایمن عبادۃ بن نسی سے نقل کرتے ہیں اور زید کا عبادہ سے سماع ثابت نہیں۔ اس اعتراض کا مفصل کتابوں میں جواب دیا گیا ہے۔ یہاں صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ اگر کسی مرسل یا منقطع روایت کی تائید دوسری روایات سے ہو رہی ہو تو ایسی مرسل بالاتفاق حجت ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس کے مضمون کو اگر تلقی بالقبول بھی حاصل ہو جائے تو اس کے انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اس روایت کی بھی یہی صورت ہے۔ اوّل تو یہ مضمون دوسری بہت سی احادیث سے ثابت ہو رہا ہے۔ دوسری خود اس حدیث کے بقول ملا علی قاری رحمہ اللہ (باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلفہ) بہت سے طرق ہیں اور سب سے بڑھ کر اس مضمون کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ اہل سنت والجماعت کا اس مضمون پر اتفاق رہا ہے۔ اس لئے اس حدیث کے رد کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔

اس حدیث کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں فنبی اللہ حی یرزق والا جملہ مرفوع روایت کا حصہ نہیں بلکہ راوی کی طرف سے مندرج ہے۔ اس کا جواب یہ ہے اس کے ادراج پر کوئی مضبوط دلیل ہونی چاہئے۔ ایک جملہ جب مرفوع حدیث کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے تو بغیر دلیل کے اس کو مدرج کس طرح مانا جاسکتا ہے۔ محدثین نے ادراج معلوم کرنے کے کچھ قرائن بیان فرمائے ہیں۔ ان میں سے یہاں کوئی قرینہ بھی موجود نہیں۔ اگر بالفرض اس جملہ کو مدرج تسلیم کر بھی لیا جائے تب بھی ہمارے لئے مضر نہیں۔ اس لئے کہ ہمارا استدلال اس جملہ پر موقوف نہیں۔ ہمارا موقف اس کے بغیر بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

<u>تیسری دلیل</u>: امام ابو یعلی موصلی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے: ''قال رسول اللہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' آنحضرت نے ارشاد فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں۔

<u>استدلال</u>: اس حدیث میں صراحۃ فرمادیا: ''الانبیاء احیاء'' حیات کا متبادر مفہوم یہی ہے کہ یہ حیات جسم کو روح کے ساتھ کے قوی علاقہ کے ساتھ حاصل ہے۔ وگرنہ صرف روح تو عام لوگوں کی بھی زندہ ہوتی ہے۔ پھر اسی مفہوم کی مزید تاکید ''فی قبورھم'' کہہ کر دی گئی۔ اس لئے کہ ''قبر'' کا متبادر اور حقیقی اطلاق زمین کے اس حصہ پر کیا جاتا ہے۔ جہاں انسان کا جسد عنصری مدفون ہو۔ چنانچہ علامہ ابن منظور اپنی لغت کی معروف و بے نظیر کتاب ''لسان العرب'' میں اس مادہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''القبر مدفن الانسان جمعہ قبور''

(ج ۵ ص ۶۸) قرآن مجید میں جہاں بھی یہ مادہ استعمال ہوا ہے۔ اسی معنی میں ہوا ہے۔ مثلاً: "ثم اماته فاقبره و لا تقم علی قبره. الهکم التکاثر حتی زرتم المقابر" اور پھر اس معنی کی مزید تاکید کرنے کے لئے ایسے فعل کا ذکر کر دیا۔ جس کی نسبت عموماً ابدان کی طرف کی جاتی ہے۔ اس لئے فرمایا: "یصلون" نیز یصلون سے کہہ کر یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ انبیاء کی یہ حیات بے مقصد نہیں بلکہ وہ اپنی قبروں میں اس حیات کی وجہ سے نماز وغیرہ اعمال طیبہ میں مصروف رہتے ہیں۔ (صرف تلذذ کے لئے)

(فیض الباری ج ۲ ص ۶۴) میں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں حظ کلام انبیاء کی صلوۃ ہی ہے۔ یعنی اصل مقصود یہ بیان کرتا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ اس ارشاد کے مطابق "احیاء فی قبورهم" بطور تمہید کے فرمادیا چونکہ بغیر حیات فی القبور کے صلوۃ فی القبور متصور نہیں ہوسکتی تھی۔ اس لئے پہلے رفع استبعاد کے لئے یہ بتادیا کہ یہ حضرات اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ پھر اصل بات بتادی کہ اس حیات کی وجہ سے یہ حضرات اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

تخریج و تصحیح حدیث: اس حدیث کی تخریج ابویعلی موصلی نے کی۔ ان ہی کے حوالہ سے علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث (شفاء السقام ص ۱۸۰) پس نقل کی ہے۔ اس حدیث کی بہت سے محدثین نے تصحیح کی ہے۔

مثلاً امام بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور مندرجہ ذیل محدثین حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷) میں، قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴) میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے (فیض الباری ج ۲ ص ۶۴) میں اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے (مرقات ج ۳ ص ۲۴۱) میں بغیر نکیر کے امام بیہقی کی تصحیح کو نقل کیا ہے۔

چوتھی دلیل: امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات انبیاء پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ نبی کریم نے فرمایا کہ: "مررت علی موسی لیلة اسری بی عند الکثیب الاحمر وهو قائم یصلی فی قبره" میں معراج کی رات سرخ ٹیلہ کے قریب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا اس وقت وہ اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی (صحیح ج ۲ ص ۲۶۸) میں اور امام نسائی نے اپنی (سنن المجتبیٰ ج ۱ ص ۲۴۲) میں کی ہے۔ معراج کی رات آپ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جس مرور کا ذکر ہے یہ مرور زمین پر اسی جگہ سے ہوا تھا۔ جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جسد عنصری مدفون ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے جس قیام و صلوۃ کا ذکر ہے اس کا تعلق آپ کے جسد عنصری کے ساتھ ضرور تھا۔ جیسا کہ لفظ "فی قبره" صراحۃً اس پر دلالت کر رہا ہے۔ آپ نے اس جسم کو نماز پڑھتے ہوا دیکھا ہے۔ جو قبر شریف میں مدفون ہے اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب کہ روح کا جسم کے ساتھ قوی تعلق موجود ہو اور اسی کو ہم حیات فی القبر کہتے ہیں۔ اس حدیث سے موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر ثابت ہوئی اور بطور دلالۃ النص کے آنحضرت ﷺ کی حیات فی القبر ثابت ہوگئی۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کا مقام اور مرتبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اونچا ہے۔ آپ ﷺ تو افضل الانبیاء ہیں۔

اس حدیث کی جو شرح ہم نے کی ہے۔ اکثر محدثین اہل سنت والجماعت اس کی وہی شرح کرتے چلے آرہے ہیں۔ اس سلسلہ میں بطور نمونہ ایک دو شہادتیں پیش کردینا مناسب ہے۔

(۱) علامہ تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ حیات انبیاء پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: "وشهد له صلاة موسى في قبره فان الصلاة تستدعى جسدا حيا" (شفاء السقام ص۱۹۱) اسی طرح علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بھی نقل کی ہے کہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو حیات انبیاء کے شواہد میں سے شمار کیا ہے۔

(۲) علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ سنن نسائی ج۱ ص ۲۴۲ کے حاشیہ میں بدر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ: "قال الشيخ بدر الدين الصاحب هذا صريح في اثبات الحياة لموسى في قبره فانه وصفه بالقبر دليل على هذا فان لو كان من اوصاف الروح لم يحتج لتخصيصهم"

(۳) بعینہ یہی عبارت علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بدر الدین رحمۃ اللہ علیہ سے (زہر الربی بہامش سنن نسائی ج۱ ص ۲۴۲ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی) میں نقل فرمائی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے (فتح الباری ج۶ ص ۴۸۷) میں حدیث الانبیاء احیاء کو نقل کرنے کے بعد چند دوسری روایات پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "وشاهد الحديث الاول ما ثبت في صحيح مسلم... الخ" پھر یہی حدیث ذکر کی ہے۔ یہ حدیث: "الانبياء احياء... الخ" والی حدیث کا شاہد تبھی بن سکتی ہے۔ جب کہ دونوں سے ایک ہی مدعا ثابت ہو رہا ہے۔

(۵) علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ نے اپنی تصنیف (فتح الملہم ص۲۲۱) پر اس حدیث کو حدیث انس رضی اللہ عنہ الانبیاء احیاء کا شاہد قرار دیا ہے۔

<u>پانچویں دلیل</u>: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مرفوع جسے صاحب مشکوٰۃ نے اس باب کی فصل ثانی میں بحوالہ ابوداؤد بیہقی ذکر کیا ہے: "قال رسول الله ما من احد يسلم على الا رد الله على روحى حتى ارد عليه السلام" نبی کریم نے فرمایا کہ جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے تو اس وقت حق تعالیٰ میری روح میری طرف لوٹا چکے ہوتے ہیں اور میں اس کے سلام کو جواب دیتا ہوں۔

یہ حدیث (سنن ابی داؤد ج۱ ص۲۷۹) پر اور (السنن الکبریٰ للبیہقی ج۵ ص ۲۴۵) پر بھی موجود ہے۔ ابن قدامہ نے "المغنی" میں امام احمد کے حوالہ سے اس حدیث کے لفظ اس طرح نقل کئے ہیں: "مامن احد يسلم على عند قبرى... الخ" اس میں "عند قبری" کی زیادتی بھی ہے۔ امام ابوداؤد اور امام بیہقی وغیرہ کی روایات میں اگرچہ یہ زیادتی موجود نہیں لیکن ان کے اس حدیث کو کتاب المناسک کے آخر میں "باب زيارة القبور" اور "باب زيارة قبر النبى" میں لانے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے بھی اس زیادتی کا اعتبار کیا ہے۔

اب حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ جو شخص بھی میری قبر کے پاس آکر مجھ پر سلام پیش کرتا ہے تو حق تعالیٰ میری توجہ اس کی طرف مبذول کرا دیتے ہیں اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ نبی کریم کے سلام کرنے والے کی طرف متوجہ ہونے اور سلام کا جواب دینے سے ثابت ہوا کہ آپ کو قبر میں حیات حاصل ہے اور قریب سے سلام کرنے والے کا سلام سن کر جواب بھی دیتے ہیں۔

<u>حیثیت حدیث</u>: اکثر محدثین نے اس کی تصحیح کی ہے۔ بطور نمونہ چند محدثین کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کے بارہ میں فرماتے ہیں: "رواه ابو داؤد باسناد صحيح" (ریاض الصالحین ص۵۳۱)

(۲) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی تصحیح کو بغیر تنقید و تبصرہ کے قبول فرمایا ہے۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

(۳) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ''رواتہ ثقات'' (فتح الباری ج ص ۴۸۸)

(۴) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''وسندہ حسن بل صححہ النووی فی الاذکار''
(مرقات ج ۲ ص ۳۴۱)

(۵) علامہ عزیزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''واسنادہ حسن''
(السراج المنیر شرح الجامع الصغیر ج ۴ ص ۲۰۹، مطبوعہ مکتبہ الایمان المدینۃ المنورۃ)

اعتراضات کے جوابات

پہلا اعتراض: اس حدیث کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے یزید بن عبداللہ بن قسیط ہیں یہ ضعیف ہیں۔ ابو حاتم رازی نے ان کے بارے میں کہا ہے: ''لیس بالقوی لان مالکا لم یرضہ''

جواب: اگرچہ ابو حاتم نے ان کی تضعیف کی ہے لیکن دوسرے محدثین نے ان کی رائے کو قبول نہیں کیا ہے۔ بلکہ جمہور محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے (تہذیب التہذیب ج ۱۱ ص ۳۴۳) میں ابن معین نسائی، ابن حبان، ابن عدی وغیرہ بہت سے محدثین سے ان کو توثیق نقل کی ہے۔ نیز یہ صحاح ستہ کے رجال میں سے ہیں۔ چنانچہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر (ع) کی علامت لگائی ہے۔

ابو حاتم نے ان کی تضعیف صرف اس بنیاد پر کی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو پسند نہیں کیا۔ لیکن حافظ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن عبدالبر نے ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی نسبت غلط فہمی کی وجہ سے ہوگی ہے۔ کیونکہ خود امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے مؤطا میں بہت سے مقامات پر ان کی روایات سے استدلال کیا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یزید بن عبداللہ کی تضعیف میں ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ متفرد ہیں۔ دوسرے نمبر پر یہ بات معلوم ہوئی کہ ابو حاتم نے جس بنیاد پر تضعیف کی ہے وہ بنیاد ہی درست نہیں۔

دوسرا اعتراض: دوسرا اعتراض اس کی سند پر یہ کیا گیا ہے کہ یزید بن عبداللہ کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع حاصل نہیں اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو نقل کر رہے ہیں۔ لہٰذا یہ روایت منقطع ہے۔ درمیان میں کوئی واسطہ گرا ہوا ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ کہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کی نقل کے مطابق یزید کی وفات ۱۲۲ھ میں ہوئی اور اس وقت ان کی عمر نوے ۹۰ سال تھی۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی ولادت تقریباً ۳۲ھ میں ہوئی جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات مشہور قول کے مطابق ۵۹ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے وقت یزید بن عبداللہ کی عمر ۲۷ سال بنتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یزید اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے درمیان معاصرت اور امکان لقاء موجود ہے اور یزید مدلس بھی نہیں ہے۔ اس لئے یہ روایت کم از کم علی شرط مسلم صحیح ہونی چاہئے۔ پھر اس امکان لقاء کی تقویت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ یزید بن عبداللہ حسب تصریح حافظ ابن مدنی ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات بھی مدینہ ہی میں ہوئی۔ یہ بات انتہائی مستبعد ہے کہ اس دور کا ایک

طالب حدیث ہو اور اس کے اپنے شہر میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے محدث موجود ہوں۔ لیکن اس سے ان سے استفادہ نہ کیا ہو تو صرف امکان لقائی نہیں بلکہ عدم لقاء مستبعد ہے۔

چھٹی دلیل: ''قال رسول اللہ ﷺ لیھبطن عیسی ابن مریم حکما عدلا و اماما مقسطا و یسلکن فجا حاجا او معتمرا و بثیتھما ولیأتین قبری حتی یسلم علی والاردن علیہ'' آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم ضرور زمین پر اتریں گے۔ اس وقت وہ عادل حکمران اور منصف امام ہوں گے اور وہ ضرور حج کے راستے سے حج یا عمرہ کے لئے آئیں گے (یا یوں فرمایا کہ حج وعمرہ کی نیت سے آئیں گے) اور میری قبر میں آکر ضرور سلام بھی کریں گے اور میں ان کے سلام کو جواب بھی ضرور دوں گا۔

اس حدیث کی تخریج امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنے (مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۹۵) میں کی ہے۔ امام حاکم رحمۃ اللہ نے اس کی تصحیح بھی کی ہے اور علامہ ذہبی نے تصحیح پر ان کی موافقت کی ہے۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام آنحضرت ﷺ کی قبر شریف کے پاس آئیں گے، سلام پیش کریں گے تو نبی کریم ﷺ اس سلام کا جواب دیں گے اور سلام کا جواب موقوف ہے سماع سلام پر۔ معلوم ہوا کہ نبی کریم اس سلام کا جواب دیں گے اور یہ سننا براہ راست ہوگا۔ فرشتوں کے ذریعے نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ فرشتوں کے ذریعے سے تو ہر جگہ سے سلام پہنچ جاتا ہے۔ پھر لیاتین قبری کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس حدیث کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خصوصیت ومعجزہ پر محمول نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ اول تو خصوصیت کی کوئی دلیل موجود نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر اس کو عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مانیں تو لازم آئے گا کہ آنحضرت ﷺ کی شخصیت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کے لئے محل تصرف بنے اور یہ بات آنحضرت ﷺ کی شان عالی سے کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ اس لئے ماننا پڑے گا کہ آنحضرت ﷺ قبر شریف کے پاس سے پیش کیا جانے والا ہر صلوۃ وسلام خود سنتے ہیں اور اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا سلام بھی خود سن کر جواب عنایت فرمائیں گے۔

ساتویں دلیل: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی زیر بحث حدیث: ''قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا ابلغتہ'' نبی کریم نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس سے مجھ پر درود پڑھا کرے گا میں اس کو خود اس حدیث میں ''سمعتہ'' سے مراد براہ راست بغیر کسی واسطہ کے سننا ہے۔ اس لئے کہ اوّل تو یہ سب باتیں خیر القرون سے بالتوارث چلی آرہی ہیں اور فقہاء اپنی کتابوں میں یہ باتیں لکھتے آرہے ہیں اور کسی نے ان پر نکیر نہیں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ سب حضرات سلف اس بات پر متفق ہیں کہ دور سے صلوۃ وسلام بھیجنے اور روضہ اطہر کے قریب سے پیش کرنے میں فرق ہے اور وہ فرق یہ ہے کہ دور سے تو وہ سلام فرشتوں کے ذریعے سے پہنچایا جاتا ہے اور قریب سے خود سماعت فرمالیتے ہیں۔

اسی طرح بہت سے فقہاء نے وہاں جا کر آنحضرت سے شفاعت کی درخواست کرنے کا بھی لکھا ہے۔ دیکھئے مثلاً (نور الایضاح مع مراقی وطحطاوی ص ۴۰۶ فتاویٰ عالمگیریہ ص ۲۶۶ اور زبدۃ المناسک ص ۶۴) وغیرہ اور اس بات پر کسی نے نکیر بھی نہیں کی ہے بلکہ بعض مفسرین نے اس سلسلہ میں زمانہ خیر القرون کا ایک واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ ایک اعرابی نے روضہ اطہر کے پاس یہ آیت مبارکہ تلاوت کی: ''ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ

واستغفر لهم الرسول لوجدو الله توابا رحيما'' اور اس کے بعد عرض کیا کہ: ''قد جئتک مستغفرا لذنبی مستشفعا بک الی ربی'' اور اس کے بعد یہ دو شعر پڑھے

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء للقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۲، مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۸۲)

اس اعرابی کے استشفاع کو شرف قبولیت ملا اور اس پر اس وقت کسی نے نکیر نہیں کی۔ خیر القرون میں یہ واقعہ پیش آنا اور اس پر کسی کا نکیر نہ کرنا اور پھر فقہاء کا یہ لکھتے چلے آنا کہ آنحضرت (روضہ اطہر) کے پاس سفارش کی درخواست کرے۔ فقہاء کی طرف سے اس بات کی تردید نہ ہونا شفاعت کی درخواست کرنے کے جواز کی واضح دلیل ہے۔ سب فقہاء اس جواز کے قائل معلوم ہوتے ہیں۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کہ ان حضرات کا یہ نظریہ بھی ہو کہ آنحضرت قبر شریف میں حیات ہیں اور قریب سے شفاعت کی درخواست سماعت فرما لیتے ہیں۔

چند اہم علماء کے حوالے اس سلسلہ میں پہلے علماء احناف کے حوالے پیش کئے جائیں گے۔ پھر دوسرے علماء اہل سنت والجماعت کے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح شفاء قاضی عیاض میں فرماتے ہیں: ''فمن المعتقد المعتمد انه حي في قبره كسائر الانبياء في قبورهم وهم احياء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوي والسفلي كما كانوا في الحال الدنيوي فهم بحسب القلب عرشيون وباعتبار القالب فرشيون''

(۲) مشہور مفسر (حنفی) علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے بعض صوفیہ کے آنحضرت ﷺ کی بحالت بیداری زیارت کرنے کے واقعات کی توجیہات کرتے ہوئے اس نظریہ کی تردید کی ہے کہ آنحضرت چونکہ قبر شریف میں زندہ ہیں اس لئے دنیا میں جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں۔ اسی ضمن میں علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات بھی فرمائی ہے کہ: ''والحياة في القبر لا تستلزم الخروج وانا اقول بها في حق الانبياء علیہم السلام وقد الف البيهقي جزء في حياتهم في قبورهم هم واورد فيه عدة اخبار'' علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرمانا یہ چاہتے ہیں کہ میں انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور کا تو قائل ہوں لیکن اس حیات سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ اپنے جسد اطہر کے ساتھ قبر سے باہر بھی تشریف لاتے ہوں۔ پھر چند سطروں کے بعد اس حیات کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ثم ان تلک الحياة في القبر وان كانت يترتب عليها بعض ما يترتب على الحياة في الدنيا المعروفة لنا من الصلاة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذالک الا انما لا يترتب عليها كل ما يمكن ان يترتب على تلک الحياة المعروفة'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۸)

(۳) علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابن عبدالرزاق حنفی کی علم الفرائض کے متعلق نظم ''قلائد المنظوم'' کی شرح ''الرحیق المختوم'' لکھی ہے۔ قلائد المنظوم میں موانع ارث (مجازیہ) میں سے نبوت کو بھی شمار کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی اس کی ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ: ''عدم موت المورث بناء على ان الانبياء احياء في قبورهم كما ورد في الحديث'' (رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۲)

بعض لوگوں نے امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اس بات کی غلط نسبت کردی تھی کہ آپ نعوذ باللہ! اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی صفت نبوت ختم ہوگئی ہے۔ اس نسبت کی تردید کرتے ہوئے ابن عابدین نے یہ بات بھی کہی ہے۔ ''لان الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام احیاء فی قبورھم'' (ردالمحتار ج ۳ ص ۲۵۹)

(۴) شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید مولانا قطب الدین صاحب نے شاہ صاحب ہی کے ایماء سے مشکوۃ شریف کا ترجمہ مع مختصر تشریح لکھ کر شاہ صاحب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ جو ''مظاہر حق'' کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں مولانا محمد قطب الدین حضرت انس رضی اللہ عنہ بن اوس کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اور اخیر حدیث کا حاصل یہ ہے کہ زندہ ہیں انبیاء قبروں میں، یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔'' (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۵۶)

(۵) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاوی کے مجموعہ ''فتاوی رشیدیہ'' میں ہے: ''انبیاء کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا ہے کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اس فتویٰ پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ اور بھی علماء کے دستخط ہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۹)

(۶) اشرف الجواب میں حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے وعظ ''الحبور'' سے اس موضوع پر ایک مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس کے ابتدائی حصہ میں ہے: ''حضور کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے۔ کیونکہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے۔ بلکہ حضور خود یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ قبر میں زندہ ہیں۔ قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے۔ مگر یاد رہے کہ اس حیات سے مراد ناسوتی نہیں ہے۔ وہ دوسری قسم کی حیات ہے جس کو حیات برزخیہ کہتے ہیں۔ اس عبارت میں آنحضرت کی روح مبارکہ کے جسد اطہر کے ساتھ تعلق کا اثبات کیا گیا ہے اور اس تعلق سے حاصل ہونے والی حیات کو قریب قریب تمام اہل حق کا مذہب قرار دیا گیا ہے۔ البتہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حیات کا نام برزخیہ رکھا ہے۔ اس میں کوئی اشکال کی بات نہیں (کمامر) پورا مضمون پڑھنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی مراد حیات شہداء و حیات انبیاء سے وہی ہے جس کا جسم کے ساتھ بھی تعلق ہے اور حضرت اس مضمون کی تائید آپ کی دوسری کتابوں سے بھی ہوتی ہے۔ آپ کی تصانیف میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جو اس پیش کردہ عبارت کے خلاف ہو۔'' (اشرف الجواب ص ۲۳۸)

(۷) حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ آنحضرت کی روح مبارکہ کے مجلس مولود میں آنے والے نظریہ کی تردید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں: ''اول یہ کہ حضرت رسالت پناہ قبر مبارک میں زندہ ہیں جیسا کہ اہلسنت والجماعت کا مذہب ہے تو پھر آپ کی روح مبارک کا مجالس میلاد میں آنا جسد سے مفارق کر کے ہوتا ہے یا کسی اور طریقہ سے، اگر مفارق کر کے مانا جائے تو آپ کا قبر مطہر میں زندہ ہونا باطل ہوتا ہے یا کم از کم اس زندگی میں فرق آنا ثابت ہوتا ہے۔'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۱۶۰)

اجماع کا ایک اہم قرینہ: آنحضرت ﷺ کے عند القبور صلوۃ وسلام سننے اس کے لئے حیات کے پائے جانے پر اجماع کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اہل سنت والجماعت کی چاروں مستند فقہوں کی مستند کتابوں میں

آنحضرت ﷺ پر دور سے درود شریف پڑھنے کے سلسلے میں خطاب کے صیغے استعمال کرنے کی ترغیب نہیں دی گئی۔ لیکن جب یہ حضرات آنحضرت ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضری کے آداب بیان فرماتے ہیں اور وہاں پیش کرنے کے لئے صلوٰۃ وسلام کے صیغے لکھتے ہیں تو سب ہی حضرات خطاب کے صیغے لکھتے ہیں۔ مثلاً دیکھئے (نورالایضاح مع مراقی الفلاح وحاشیہ طحطاوی ص ۴۰۶، فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۶۵، فتح القدیر ج ۳ ص ۹۵، مغنی ابن قدامہ ج ۳ ص ۵۵۸ وغیرہ)

ایسے ہی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ جب سفر سے واپس آتے تو روضہ اطہر کے پاس آ کر اس طرح سلام عرض کرتے: ''السلام علیک یا رسول اللہ، السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ''

(السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۲۴۵)

ایسے ہی بہت سے فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کسی نے آنحضرت ﷺ تک سلام پہنچانے کا کہا ہو تو اپنا صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے بعد اس کا سلام اس کا نام لے کر بارگاہ رسالت مآب میں پیش کرے۔ مثلاً (فتح القدیر ج ۳ ص ۹۵) میں ہے: ''ولیبلغ سلام من اوصاہ بتبلیغ سلامہ فیقول السلام علیک یا رسول اللہ من فلان بن فلان او فلان ابن فلان یسلم علیک یا رسول اللہ'' عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بھی مدینہ منورہ جانے والوں کے ذریعہ سے بارگاہ رسالت میں سلام بھجوایا کرتے تھے بلکہ اس مقصد کے لئے مستقل ڈاک بھی بھیجا کرتے تھے۔ جب سماع کا اطلاق کیا جاتا ہے تو اس کا متبادر مفہوم یہی ہوتا ہے کہ متکلم کی آواز سامع کے کانوں تک پہنچ جائے۔ ''سمعتہ'' کا ''ابلغتہ'' کے ساتھ مقابلہ کرنے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ابلاغ کا مقابل مراد ہے۔

ابلاغ سے مراد تو یہ ہے کہ وہ صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے واسطے سے آپ تک پہنچا دی جائے۔ لہٰذا سماع سے مراد یہ ہوا کہ آپ براہ راست اس صلوٰۃ کو سن لیں۔ چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ''سمعتہ'' کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ای سمعا حقیقیا بلا واسطۃ''　　(مرقات ج ۲ ص ۳۴۷)

''عند قبری'' کی قید سے یہ بات مؤکد کردی گئی کہ یہ جسد عنصری کے لئے ثابت ہے۔ یعنی جسد عنصری سنتا ہے بتعلق روح، کیونکہ اگر صرف روح سنتی ہوتی یا کوئی اور جسد مثالی وغیرہ سنتا ہوتا تو پھر ''عند قبری'' کی تخصیص کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ پھر تو چاہئے تھا کہ ہر جگہ سے آپ صلوٰۃ وسلام خود سن لیتے۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

<u>تخریج وتصحیح حدیث</u>: یہ حدیث صاحب مشکوٰۃ نے یہاں بیہقی کے حوالے سے ذکر کی ہے۔ امام بیہقی کے علاوہ دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔ مثلاً حافظ ابوالشیخ نے کتاب الثواب' میں اس کی تخریج کی ہے۔ اسی طرح ابوبکر ابن ابی شیبہ نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔ ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

اس حدیث کی امام بیہقی والی سند میں ایک راوی محمد بن مروان السدی الصغیر ہیں۔ محدثین نے ان کی تضعیف کی ہے۔ لیکن ابوالشیخ کی سند میں یہ راوی نہیں۔ بلکہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ محدثین نے ابوالشیخ والی سند کی تصحیح کی ہے۔ مثلاً مندرجہ ذیل حضرات نے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

(۱) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸ میں۔ (۲) ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ج ۲ ص ۳۴۷ میں۔ (۳) علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فتح الملہم ج ۱ ص ۲۲۲ میں جمہور کا استدلال ابوالشیخ والی سند ہے۔ امام بیہقی والی سند نہیں۔ البتہ اس کو ابوالشیخ والی سند کی مزید تقویت کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے۔

یہ چند حدیثیں بطور نمونہ پیش کی گئی ہیں، جن سے اہل السنہ والجماعت کا موقف اس مسئلہ میں صراحتاً ثابت

ہو رہا ہے۔ مزید احادیث کے لئے اور انہی احادیث کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے اس موضوع پر لکھی گئی مستقل کتابوں کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے۔ ان حدیثوں کے سند میں گو صحیح ہیں۔ لیکن سب سے اہم وجہ ان احادیث کے قابل قبول ہونے کی یہ ہے کہ ان کے مضمون کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے۔ تلقی بالقبول سے ضعیف سند والی حدیث کا مقام بھی صحیح سند والی احادیث سے بڑھ جاتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ حدیث سنداً بھی صحیح ہو اور پھر ایک حدیث ہی نہ ہو بلکہ اس مضمون پر دلالت کرنے والی کثیر احادیث موجود ہوں۔ ایسی صورت میں ان کے انکار کی بالکل گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حیات انبیاء علیہم السلام اور قرآن کریم

مسئلہ حیات النبی میں اہل سنت والجماعت کا مؤقف جس طرح بہت سی احادیث سے بطور عبارت النص یا اشارۃ النص ثابت ہے۔ اسی طرح یہ مؤقف قرآن کریم کی دلالۃ النص سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ شہداء کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون'' اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں (شہید کئے جائیں) ان کے بارے میں یہ بھی مت کہو کہ وہ مردے ہیں بلکہ وہ لوگ زندہ ہیں۔ لیکن تم حواس سے ادراک نہیں کر سکتے ہو۔

اس آیت میں شہداء کو احیاء کہا گیا ہے۔ شہداء کی یہ حیات کس نوعیت کی ہے اس میں ظاہر قرآن کا مقتضاء اور مفسرین کی ایک بہت بڑی جماعت کی رائے یہ ہے کہ یہ حیات جسمانی ہے۔ یعنی روح کو ان کے اجسام کے ساتھ عام مردوں کی نسبت زیادہ تعلق ہوتا ہے اور شہداء کو یہ حیات ملی ہے۔ حق تعالیٰ کے دربار میں ان کے بلند مرتبہ ومقام کی وجہ سے ہے اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں شہداء سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ اس لئے یہ حیات انبیاء کے لئے بھی ثابت ہونی چاہئے۔ بلکہ یہ حیات عام شہداء کی حیات سے اقویٰ ہونی چاہئے۔ اس استدلال کے ضمن میں ہم نے تین باتیں کہی ہیں۔

(۱) ظاہر قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس حیات کا جسم کے ساتھ بھی تعلق ہو۔ (۲) بہت سے مفسرین کی بھی یہی رائے ہے۔ (۳) جب یہ حیات شہداء کے لئے ثابت ہے تو انبیاء کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت ہونی چاہئے تینوں باتوں کی مختصر اوضاحت کر دینا مناسب ہے۔

<u>سیاق قرآن حیات جسمانیہ پر دال ہے</u>: قرآن کریم کی اس آیت کے سیاق میں بہت سے قرائن وشواہد ایسے موجود ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہداء کو جو حیات حاصل ہے وہ جسمانی ہے۔ چند ایک قرائن حسب ذیل ہیں:

(۱) احیاء حی کی جمع ہے۔ اس لفظ کا اطلاق جب انسانوں یا حیوانوں پر کیا جاتا ہے تو عام محاوروں میں اس سے مراد وہی حیات ہوتی ہے۔ جو روح کے جسم کے ساتھ تعلق کی وجہ سے حاصل ہو۔ چنانچہ علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰) میں اس حیات کو ان الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ''فمذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد'' اس سے معلوم ہوا کہ حیات کا حقیقی معنی یہی ہے۔

(۲) مفسرین نے لکھا ہے کہ ''بل احیاء'' میں احیاء خبر ہے۔ اس کا مبتداء محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ ''هم احیاء'' هم احیاء میں هم ضمیر من یقتل میں من کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی من یقتل احیاء جن پر فعل قتل واقع ہوا ہے وہ زندہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ فعل قتل اصالۃ جسم پر ہی وارد ہوا ہے۔ تلوار جسم پر ہی چلی ہے تو یہ حیات بھی جسم کے لئے ہی ثابت ہوگی بتعلق روح۔

(۳) قرآن پاک میں یہ حیات بیان کرنے کے بعد فرمایا گیا ہے: ''ولکن لاتشعرون'' شعور کہتے ہیں ادراک بالحواس کو اور لکن استدراک کے لئے آتا ہے۔ یعنی لکن سے پہلے والی کلام سے کسی توہم کا امکان ہوتا ہے۔ لکن کے بعد والا جملہ اس توہم اور شبہ کو دور کر دیتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ''بل احیاء'' سے جو حیات تبادراً مفہوم ہوتی ہے وہ وہی حیات ہے جس کے مدرک بالحواس ہونے کا امکان ہو۔ (خواہ وہ کسی عارض کی وجہ سے بالفعل غیر مدرک ہی کیوں نہ ہو) حاصل آیت کا یہ ہوا کہ شہداء کو شہادت کے بعد حیات حاصل ہوتی ہے اور اس جنس حیات کے مدرک بالحواس ہونے کا امکان بھی ہے۔ اس پر کسی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید بالفعل اس حیات کا ادراک بالحواس ہوتا بھی ہو اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمادیا۔ ''ولکن تشعرون'' یعنی گو یہ حیات فی نفسہ قابل ادراک بالحواس ہے۔ لیکن بعض عوارض کی وجہ سے اور بعض حکمتوں کے پیش نظر عادۃً اس ادراک کا بالحواس ہوتا نہیں ہے۔ ظاہر ہے ایسی حیات جو اس دنیا میں قابل ادراک بالحواس ہو وہی ہوسکتی ہے جس کا جسم کے ساتھ بھی تعلق ہو۔ محض روح کی حیات تو مدرک بالحواس نہیں ہوتی وہ تو مدرک بالعقل ہوتی ہے۔ اگر محض روحانی حیات مراد ہوتی تو یوں فرماتے ''ولکن لاتعلمون'' شہداء کی حیات قابل ادراک بالحواس ہونے کے باوجود بالفعل اس کے عدم ادراک کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں۔ مثلاً یہ حیات چونکہ عالم دنیا سے عالم برزخ میں منتقل ہوجانے کے بعد ملتی ہے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے دوسرے جہاں کے احوال کا مشاہدہ کرنا مستبعد ہے۔ اس لئے عادۃ اس حیات کا ادراک نہیں ہوتا باوجود اس کے کہ اس کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

یہ وجہ بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ اس حیات میں اگرچہ روح کا جسد کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اور یہ تعلق عام مردوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن یہ تعلق ایسا نہیں ہوتا جیسا کہ دنیوی زندگی میں ہوتا ہے کہ اس سے حیات مطلقہ حاصل ہوجائے اور جسم حرکت کرتا ہوا نظر آجائے۔

اسی طرح اس حیات کے عادۃً مشاہدہ میں نہ آنے میں یہ حکمت بھی ہوسکتی ہے کہ حق تعالیٰ کی نظر میں ایمان وہ معتبر ہے جو ایمان بالغیب ہو، بن دیکھے صرف اس وجہ سے مان لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے خبر دی ہے۔ اگر حیات شہداء یا اس قسم کے دوسرے امور غیبیہ عام طور پر نظر آنے لگیں تو ان پر ایمان، ایمان بالغیب، رہے گا بلکہ ایمان بالشہادۃ بن جائے گا۔ اس حیات کو بندوں ہی کی مصلحت ہوتی ہے۔ مثلاً عبرت اور شہادت وغیرہ کی ترغیب مقصود ہوتی ہے تو اس عالم کے بعض احوال بعض بندوں کو بطور خرق عادت دکھا بھی دیئے جاتے ہیں۔ محدثین نے اس سلسلہ میں کافی واقعات بھی اپنی کتابوں میں نقل فرماتے ہیں: ''وقد صح عن ثابت البنانی التابعی انه قال اللهم ان کنت اعطیت احدا ان یصلی فی قبره فاعطنی ذالک فری ذالک بعد ذالک یصلی فی قبره'' (شفاء السقام ص ۱۸۷) نیز شہداء کے اجسام کے ساتھ ان کی ارواح کے عام مردوں سے قوی تعلق کا ایک ظاہری اثر یہ بھی ہوتا ہے کہ حقیقی حکمی شہید کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی (دوسرے اجزاء ارضیہ سے متاثر ہونا الگ بات ہے) اس لئے ان کے اجسام ہمیشہ یا طویل عرصہ تک محفوظ رہتے ہیں۔

حاصل یہ کہ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ احیاء سے بالتبادر سمجھ میں آنے والی حیات وہی حیات ہے جس کے مدرک بالحواس ہونے کا امکان ہو لیکن بعض عوارض کی وجہ سے اور بعض حکمتوں کے پیش نظر عادۃً بالفعل اس کا ادراک ہوتا نہیں اور ایسی حیات جسمانی ہی ہوسکتی ہے۔

یہ چند شواہد بطور نمونہ پیش کئے گئے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے سیاق کا تقاضا یہی ہے کہ یہ حیات جسمانی ہو۔

چند حوالہ جات: آیت مذکورہ میں حیات سے مراد حیات جسمانیہ ہے۔ چونکہ یہ آیت کے سیاق کے مطابق ہے، اس لئے بہت سے مفسرین وعلماء امت نے اسی تفسیر کو اختیار کیا ہے۔ تفصیلی حوالہ جات پیش کرنا تو طوالت کا باعث ہوگا۔ چند ایک شہادتیں بطور نمونہ اس پر پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) مشہور حنفی مفسر علامہ سید محمود آلوسی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی تفسیر (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰) میں لکھتے ہیں: ''واختلف فی هذه الحياة فمذهب كثير من السلف الی انها حقيقة بالروح والجسد ولكنا لا ندركها فی هذه النشاة'' اس میں حیات حقیقیہ جسمانیہ کو کثیر سلف کا مذہب قرار دیا گیا ہے۔ پھر چند اور اقوال نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''والمشهور ترجيح القول الاول''

(۲) امام رازی نے اپنی تفسیر کبیر (ج ۴ ص ۱۶۳) میں اس آیت کے تحت حسب عادت طویل بحث فرمائی ہے۔ اس حیات سے مراد کون سی حیات ہے۔ اس میں کئی اقوال نقل فرمائے ہیں۔ پہلا قول یہ نقل فرمایا ہے: ''الاول انهم فی الوقت احياء كان الله تعالى احياهم لايصال الثواب اليهم وهذا قول اكثر المفسرين وهذا دليل على ان المطيعين يصل ثوابهم اليهم وهم فی القبور'' آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ جس تفسیر کو اکثر مفسرین کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اس کے مطابق اس حیات کا تعلق قبور میں موجود اجسام کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ پھر یہ سوال اٹھایا ہے کہ ہم تو ان اجسام کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ مردہ ہیں پھر اس کا جواب بھی دیا ہے۔ اس قول پر یہ سوال تبھی ہوتا ہے جب کہ اس قول کے مطابق یہ حیات جسمانی ہو تو اس قول اول میں حیات سے مراد حیات جسمانیہ ہے۔ پھر دو قول اور نقل کر کے فرماتے ہیں: ''واعلم ان اكثر العلماء على ترجيح الاول'' پہلے حنفی مفسر کی شہادت پیش کی تھی یہ شافعی مفسر کی شہادت ہے۔ اب چند ایک محدثین کے حوالے پیش کئے جاتے ہیں۔ ایک حنفی محدث کا، ایک شافعی محدث کا اور ایک اہل حدیث محدث کا۔

(۳) مشہور حنفی شارح حدیث حافظ بدرالدین عینی (عمدۃ القاری ج ۱۶ ص ۳۵) میں موسیٰ علیہ السلام کی صلوۃ فی القبر والی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ''قلت لا اشكال فی هذا اصلا وذالک انا الانبياء عليهم السلام افضل من الشهداء والشهداء احياء عند ربهم فالانبياء باطريق الاول الاولى'' یہاں حافظ عینی حیات کی ایسی نوعیت کی بات کر رہے ہیں جس سے موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنے پر اشکال ہی نہ رہے۔

(۴) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۸) میں فرماتے ہیں: ''قلت واذا ثبت انهم احياء من حيث النقل فانه يقويه من حيث النظر كون الشهداء احياء بنص القرآن والانبياء افضل من الشهداء'' اس آیت کے سیاق وسباق میں حافظ انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانیہ پر بحث کر رہے ہیں۔

(۵) ظاہر مزاج کے مشہور محدث قاضی شوکانی رحمہ اللہ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴ باب فضل یوم الجمعہ) میں حیات انبیاء پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ورد النص فی كتاب الله فی حق الشهداء انهم احياء يرزقون وان الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالانبياء والمرسلين''

فائدہ: صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے مسروق کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا۔''ولا تحسبن اللذین قتلوا'' تو حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے اس آیت کے بارے میں نبی کریم سے پوچھا تھا۔تو آپ نے یہ جواب دیا تھا کہ: ''ارواحهم في جوف طير حضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شاءت ثم تاوی تلك القناديل'' (صحیح مسلم ج۲ ص ۱۳۵)

اس حدیث کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ کہہ دیا کہ قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں جس حیات کا ذکر ہے وہ ایک روحانی حیات ہے۔جسمانی حیات نہیں۔اس سلسلہ میں دو باتیں ذہن میں رکھنی چاہئیں۔ایک تو یہ کہ یہ حدیث شہداء کی حیات جسمانیہ کے منافی نہیں۔اس لئے کہ ہمارا یہ دعویٰ نہیں ہے کہ شہداء کی ارواح مکمل طور پر ان کے ابدان میں آجاتی ہیں اور ابدان ان کا مستقر ہے۔بلکہ ہم ارواح کے ان کے ابدان کے ساتھ عام مردوں کی نسبت قوی تعلق کے قائل ہیں۔خواہ کسی نوعیت کا بھی ہو،ارواح کا مستقر کہیں بھی ہو وہ جہاں کہیں بھی پھرتی ہوں، ان کا ان کے ابدان کے ساتھ تعلق اور ان کا اشراق ممکن ہے۔اس لئے ان ارواح کا عرش نیچے سبز پرندوں پر ہونا ہماری اختیار کردہ تفسیر کے منافی نہیں ہے۔دوسری طرف ظاہر قرآن ہماری اختیار کردہ تفسیر کا مؤید ہے تو پھر کیوں نہ ایسی تفسیر اختیار کی جائے جو قرآن کے سیاق کے بھی مطابق ہو اور کسی حدیث کے خلاف بھی نہ ہو۔

دوسری بات یہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس حدیث میں شہداء کے متعلق جو بات مذکور ہے اسی سے ملتی جلتی بات دوسری بعض احادیث میں عام مؤمنین کے بارہ میں بیان کی گئی ہے۔چنانچہ مؤطا،امام مالک کی ایک روایت کے لفظ یہ ہیں:''انما نسمة المؤمن طير يعلق في شجرة الجنة حتى يرجعه الله الى جسده يوم يبعثه'' (مؤطا امام مالک ص ۲۲۱ کتاب الجنائز مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی) اس سے یہ معلوم ہوا کہ اعزاز شہداء کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام مؤمنین کے لئے بھی ہے شہداء کی تخصیص ذکر محض تکریم وتعظیم کے لئے ہے۔چنانچہ حافظ ابن کثیر مؤطا والی مذکورہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:''ففيه دلالة لعموم المؤمنين ايضاً وان كان الشهداء قد خصو بالذكر في القرآن تشريعا لهم وتكريما وتعظيماً'' (تفسیر ابن کثیر ج۱ ص ۱۹۷)

لیکن آیت کے سیاق وسباق سے متبادر جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہی ہے کہ ان کو جو حیات ملتی ہے۔وہ عام مؤمنین کو حاصل نہیں۔بلکہ وہ (حقیقی یا حکمی) شہدا کے ساتھ ہی خاص ہے جو ان کو ان کی اس عظیم قربانی کے صلہ میں ملتی ہے۔اس لئے حدیث کی شرح میں یوں کہنا چاہئے کہ حدیث میں اس حیات کا بیان مقصود نہیں جو شہداء کے ساتھ خاص ہے کیونکہ وہ حیات تو ظاہر قرآن سے سمجھ میں آرہی ہے۔یہاں نبی کریم نے اس حیات کا ذکر کیا ہے جو ظاہر قرآن سے سمجھ نہیں آرہی تھی۔گویا شہداء کو دو قسم کی حیات حاصل ہے۔ایک جسمانی جو ظاہر قرآن سے سمجھ میں آرہی ہے۔یہ حیات (حقیقی یا حکمی) شہداء کے ساتھ خاص ہے اور دوسری روحانی حیات یعنی ان کی ارواح کو خاص قسم کی سواریاں سبز پرندوں کی شکل میں ملتی ہیں،ان پر سوار ہو کر وہ جہاں چاہیں پھر سکتی ہیں۔یہ حیات شہداء کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ عام مؤمنین کو بھی حاصل ہے۔حدیث میں اس دوسری حیات کا بیان مقصود ہے۔مطلب یہ ہے کہ شہداء کو قرآن سے سمجھ میں آنے والی حیات جسمانیہ کے علاوہ وہ حیات بھی ملتی ہے،جو عام مسلمانوں کو ملتی ہے۔حیات جسمانیہ کی وجہ سے انہیں

حیات روحانیہ سے محروم نہیں کیا جاتا۔ اب تک تقریر کا حاصل یہ ہوا کہ ظاہر قرآن اور بہت سے مفسرین کے اختیار کے مطابق شہداء کو خاص قسم کی حیات ملتی ہے جس کا ان کے جسم کے ساتھ تعلق ہوتا ہے۔ لیکن اس حیات کے اس دنیوی جسم کے ساتھ تعلق ہونے کے باوجود اس دنیا میں رہتے ہوئے انسانی حواس کو عادۃً ادراک نہیں ہوتا۔

حیات شہداء سے حیات انبیاء پر استدلال: جب حیات شہداء کے لئے ثابت ہے تو انبیاء کے لئے بدرجہ اولیٰ ثابت ہونی چاہئے کئی وجوہ سے۔

(۱) معمولی دینی سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی یہ سمجھتا ہے کہ شہدا کو یہ حیات ملنے کی علت ان کا حق تعالیٰ کی بارہ میں مقرب ہونا ہے اور یہ علت انبیاء کرام علیہم السلام میں شہداء سے بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ان کے لئے یہ حیات بدرجہ اولیٰ ثابت ہونی چاہئے۔ بلکہ ان کی حیات شہداء سے اقویٰ ہونی چاہئے۔ یاد رہے کہ اس استدلال میں اگر چہ حکم کا تعدیہ کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ علت کے پائے جانے کی وجہ سے لیکن یہ قیاس نہیں ہے بلکہ دلالۃ النص سے استدلال ہے۔ قیاس اور دلالۃ النص میں حکم کا تعدیہ بالعلۃ ہوتا ہے۔ لیکن قیاس میں اس علت کے سمجھنے کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب کہ دلالۃ النص میں وہ علت دینی سمجھ بوجھ رکھنے والا عامی آدمی بھی سمجھ سکتا ہے۔

(۲) شہید کو جو حق تعالیٰ کی راہ میں جان قربان کرنے کی توفیق ملی ہے وہ انبیاء علیہم السلام کی ہدایت وراہنمائی کی وجہ سے ہی ملی ہے۔ اس لئے ''الدال علی الخیر کفاعلہ اور من سن سنۃ حسنتہ فلہ اجرھا و اجر من عمل بھا'' کے تحت جو اعزاز شہید کو ملے گا وہ انبیاء علیہم السلام کو بھی ملنا چاہئے۔ بلکہ تمام شہداء کے اعزازات کے مجموعے کا برابر ان کو ملنا چاہئے۔

(۳) یہ ساری بحث تو اس وقت ہے جبکہ ہم انبیاء علیہم السلام کو بحکم الشہداء قرار دیں۔ اب ایک بات مزید کہ آنحضرت ﷺ شہید تھے۔ کیونکہ وفات عادی نہیں تھی بلکہ اس زہر کی وجہ سے تھی جو غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے دی تھی۔ چنانچہ آپ نے مرض الوفات میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ: ''یاعائشۃ رضی اللہ عنہا ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلت بخیبر فھذا اوان وجدت انقطاع البھری من ذالک السم'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۳۶) اے عائشہ رضی اللہ عنہا میں اس کھانے کی تکلیف ابھی تک محسوس کر رہا ہوں جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اس وقت زہر کی وجہ سے اپنی رگیں کٹتی ہوئی محسوس کر رہا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے: ''لان احلف تسعا ان رسول اللہ قتل قتل احب الی من احلف واحدۃ انہ الم یقتل وذالک ان اللہ عزوجل اتخذہ نبیا واتخذہ شھیدا'' (رواہ الحاکم فی المستدرک ج ۳ ص ۵۸) کہ اب آنحضرت بھی ''من یقتل فی سبیل اللہ'' کے عموم میں داخل ہو گئے ہیں۔

گویا یہ آپ کی حیات کو بطور عبارت النص شامل ہو گئی۔

یہ تینوں وجوہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے بھی ذکر کی ہیں۔ (شفاء السقام ص ۱۸۸ تا ۱۹۰)

معتبر کتب کے چند حوالے: اب تک مختصراً کتاب وسنت کے دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ اب چند ایسے حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہو کہ اہل سنت والجماعت کے تمام طبقات نے بھی وہی موقف اختیار کیا ہے جو ان دلائل سے بے تکلف سمجھ میں آ رہا ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں حوالہ جات اتنے زیادہ ہیں کہ سارے تو پیش نہیں کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے چند ضروری حوالے پیش کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا۔ پہلے ان علماء کے

حوالہ جات پیش کئے جاتے ہیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبور اور آنحضرت کی قبر مبارک کے پاس سماع صلوٰۃ وسلام پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر معتبر علماء کے چند حوالے ایسے پیش کئے جائیں گے جن میں اجماع کی تصریح تو نہیں کی گئی لیکن ان حضرات نے یہ نظریہ قبول کر کے اپنی کتابوں میں لکھا ضرور ہے۔

نقل اجماع: علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''نحن نؤمن ونصدق بانه حي يرزق وان جسده الشريف لاتاكله الارض والاجماع على هذا'' (القول البدیع ص ۱۲۵)

(۲) گیارہویں صدی ہجری کے محدث علامہ محمد بن علان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث: ''ما من احد يسلم'' میں روحی کی کی تفسیر نطقی سے کی ہے اور اس کی وجہ ان لفظوں میں بیان کی ہے: ''للنصوص والاجماع على انه ﷺ حيٌ في قبره على الدوام'' (دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج ۱ ص ۲۰۲)

(۳) حافظ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ (عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۸۵) میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد: ''لایذیقک اللہ الموتتین'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''وهما الموتتان الواقعتان لكل غير الانبياء عليهم السلام فانهم لايموتون في قبورهم بل هم احياء واما سائر الخلق فانهم يموتون في القبر ثم يحيون يوم القيامة ومذهب اهل السنة والجماعة ان في القبر حياة موتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء'' سوال قبر کے بارے میں بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ سوال نکیرین کے وقت عام مردوں میں بھی قوی نوعیت کی حیات پیدا کر دی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ قوی قسم کی حیات ختم کر دی جاتی ہے۔ (روح کا تعلق صرف بقدر ضرورت رہ جاتا ہے۔ اس کو یہاں موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس قسم کی موت عام لوگوں کو تو پیش آتی ہے۔ لیکن حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ بتا رہے ہیں کہ انبیاء کرام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی ارواح کا ان کے اجساد مبارکہ کے ساتھ ایک مرتبہ قوی تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور وہ تعلق پھر ختم نہیں ہوتا۔

فائدہ: حافظ عینی کی اس عبارت سے یہ مطلب اخذ کرنا صحیح نہیں کہ قبر میں ابتداءً حیات پیدا کرنے کے بعد پھر روح کا تعلق بدن سے مکمل طور پر ختم ہو جاتا ہے۔ حافظ عینی رحمۃ اللہ علیہ نہ خود اس کے قائل ہیں اور نہ ہی یہ جمہور اہل سنت کا مذہب ہے۔ چنانچہ (عمدۃ القاری ج ۳ ص ۱۱۸) میں باب ''باب من الكبائر ان لايستتر من بوله'' کی شرح میں فرماتے ہیں کہ: ''ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح الى جسده او الى جزئه'' اس میں معذب روح مع الجسد کو قرار دیا گیا ہے اور عذاب قبر پر دلالت کرنے والی نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب قبر کچھ وقت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دائمی ہوتا ہے۔ الیٰ یوم القیامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے عذاب کی نفی نہیں کی اور نہ ہی وہ کر سکتے ہیں۔

(۴) مشہور حنفی فقیہ علامہ حسن بن عمار شرنبلالی رحمۃ اللہ علیہ نور الایضاح میں زیارۃ النبی کے استحباب کے دلائل کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ومما هو مقرر عند المحققين انه حي يرزق ممتع بجميع الملاذ والعبادات غير انه حجب عن ابصار القاصرين عن شريف المقامات'' تقریباً دو صفحوں کے بعد آپ پر صلوۃ وسلام پیش کرنے کے آداب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''ملاحظا نظره السعيد اليک وسماعه كلامک ورده عليک سلامک وتامينه على دعائک'' اسی طرح علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ایک عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فانه يسمعها) اي اذا كانت بالقرب منه (وتبلغ اليه) اي يبلغها لاملک اليه اذا كان المصلي بعيدا'' (حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ فقہاء احناف کا بھی اس مسئلہ میں وہی مؤقف ہے جو دوسرے اہل سنت والجماعت کا ہے۔ اب چند ایک حوالہ جات ان حضرات علماء کرام کے پیش کئے جاتے ہیں جو فروع میں امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے مقلد نہیں ہیں۔

(۵) حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ آنحضرت کی روح مقدسہ کے تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وبعد وفاته استقرت في الرفيق الاعلى مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلم عليه وبهذا التعلق رأى موسى قائما يصلي في قبره" (زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

حافظ ابن قیم کی یہ عبارت ان لوگوں کے لئے قابل توجہ ہے جو عقیدہ حیات النبی کو مشرکانہ نظریہ یا شرک کی جڑ قرار دیتے ہیں اور حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ سے بڑھ کر شرک وبدعت کا دشمن کون ہوگا۔ اگر اس نظریہ میں ذرہ برابر بھی شرک کا شائبہ ہوتا تو حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ کبھی اسے اختیار نہیں کر سکتے تھے۔

(۶) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد: "لا يذيقك الله الموتتين" اسے بعض معتزلہ نے انکار حیات فی القبر پر استدلال کیا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ نے اس کے مختلف جواب نقل فرمائے ہیں۔ پہلے ایک جواب نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "والاحسن من هذا الجواب ان يقال ان حياته في القبر لا يعقبها موت بل يستمر حيا والانبياء احياء في قبورهم" (فتح الباری ج ۷ ص ۲۹)

یہ عبارت انبیاء علیہم السلام کی حیات مستمرہ فی القبور پر صراحۃً دال ہے۔ واضح رہے کہ حافظ رحمۃ اللہ یہاں عقیدہ حیات انبیاء کو احسن نہیں قرار دے رہے ہیں بلکہ اس جواب کو احسن قرار دے رہے ہیں جو اس عقیدہ پر مبنی ہے۔ اس عقیدہ کو بطور مسلمہ عقیدہ کے جواب کا مبنی علیہ بنا رہے ہیں۔

(۷) قاضی شوکانی رحمۃ اللہ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۰۱) میں حافظ ابو منصور البغدادی کا قول نقل فرماتے ہیں: "قال المتكلمون المحققون من اصحابنا ان نبينا حي بعد وفاته" یہ بطور نمونہ چند حوالہ جات ہیں جو اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک نبی کریم کو قبر شریف میں اتنی حیات ضرور حاصل ہے جس کی وجہ سے آپ قریب سے پیش کیا جانے والا صلوٰۃ وسلام سن لیتے ہیں۔ اس کے خلاف اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں سے کوئی ایک حوالہ ایسا نہیں ملا ہے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ آپ قریب سے صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے۔ بلکہ روضہ اطہر کے پاس سے پیش کیا جانے والا سلام فرشتوں کے ذریعے آپ کی روح مبارکہ تک علیین میں پہنچایا جاتا ہے۔

عقیدہ حیات النبی اور اکابر علماء دیوبند

جمہور اہل سنت والجماعت کی صحیح ترجمانی اس دور کے اندر اکابر علماء دیوبند نے کی ہے۔ چنانچہ حیات النبی کے مسئلہ کے بارے میں اکابر علمائے دیوبند کی رائے کو پیش کیا جاتا ہے۔ ایک مخالف گروہ نے اکابر علماء دیوبند پر کیچڑ اچھالا اور انہیں کافر تک کہہ دیا اور علماء حرمین سے کفر کا فتوٰی لیا گیا اور بعد میں جب انہیں علم ہوا کہ یہ سارے کا سارا دھوکہ ہے تو انہوں نے حقیقت حال کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے چھبیس سوال مرتب کرکے ہندوستان بھیجے کہ ان مسائل میں اکابر علماء دیوبند کا نقطہ نظر واضح کیا جائے۔ ان سوالات کے جوابات شیخ المحدثین راس المحققین حضرت مولانا خلیل

احمد صاحب سہارنپوری رحمہ اللہ نے لکھے اور اس وقت جتنے مشاہیر علماء دیوبند تھے انہوں نے جوابات پر دستخط فرمائے۔ دستخط کرنے والے حضرات میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری، اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب قدس اللہ اسرارہم ونور اللہ مراقدہم وغیرہ چوبیس حضرات شامل تھے۔ یہ جوابات علماء حرمین شریفین کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ انہوں نے ان عقائد کو صحیح قرار دے کر دستخط فرمادیئے۔ بعد میں ان عقائد پر مصر وشام وغیرہ ممالک کے اہم علماء نے بھی دستخط کئے۔ اس طرح علماء ہند، علماء حرمین شریفین اور علماء مصر وشام کی تصدیقات کے ساتھ یہ رسالہ ''المہند علی المفند'' کے نام سے شائع ہوا؛ علماء حرمین شریفین کی طرف سے بھیجے گئے چھبیس سوالات میں سے پانچواں سوال مسئلہ حیات النبی کے متعلق تھا۔ یہ سوال مع جواب حسب ذیل ہے۔

السوال الخامس: ''ماقولکم في حیاة النبي في قبره الشریف هل ذالک امر مخصوص به ام مثل سائر المؤمنین رحمة الله علیهم حیاته برزخیه'' کیا فرماتے ہو جناب رسول اللہ کی قبر میں حیات کے متعلق کہ کوئی خاص حیات ہے آپ کو حاصل ہے یا عام مسلمانوں کی طرح برزخی حیات حاصل ہے۔

الجواب: ''عندنا وعند مشائخنا حضرت الرسالة حي في قبره الشریف وحیوته دنیویة من غیر تکلیف وهي مختصة به وبجمیع الانبیاء صلوات الله علیهم والشهداء لا برزخیه کما هي حاصلة لسائر المؤمنین بل لجمیع الناس کما نص علیه العلامة السیوطي في رسالة ''انباء الاذکیاء بحیوة الانبیاء'' حیث قال قال الشیخ تقي الدین سبکی حیاة الانبیاء والشهداء في القبر کحیوتهم في الدنیا ویشهد له صلوة موسی علیہ السلام في قبره فان الصلوة تستدعي جسدا حیا الی اخر ما قال فثبت بهذا ان حیوته دنیویه برزخیه لکونها في عالم البرزخ وشیخنا شمس الاسلام والدین محمد قاسم العلوم علی المستفیدین قدس الله سره العزیز في هذا المبحث رسالة مستقلة دقیقة الماخذ بدیعة المسلک لم یر مثلها قد طبعت وشاعت في الناس واسمها آب حیات ای ماء الحیاة'' ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے۔ بلا مکلف ہونے کے یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ برزخی نہیں ہے۔ جو حاصل ہے تمام مسلمانوں بلکہ سب آدمیوں کو۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اپنے رسالہ ''انباء الاذکیاء بحیوة الانبیاء'' میں بتصریح لکھا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ علامہ تقی الدین سبکی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ انبیاء وشہداء کی قبر میں حیات ایسی ہے جیسی دنیا میں تھی اور موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی دلیل ہے۔ کیونکہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے...... الخ! پس اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ﷺ کی حیات دنیوی ہے اور برزخی بھی ہے کہ عالم برزخ میں حاصل ہے اور ہمارے شیخ مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا اس بحث میں ایک مستقل رسالہ بھی ہے۔ نہایت دقیق اور انوکھے انداز کا بے مثل، جو طبع ہوکر لوگوں میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کا نام ''آب حیات'' ہے۔

جو عقیدہ قرآن وحدیث سے سمجھ میں آرہا تھا اور جس پر جمہور اہل سنت والجماعت چلے آرہے تھے۔ اسی پر علماء دیوبند رحمہم اللہ نے اپنے اتفاق واجماع کا اظہار کیا ہے۔

فہرست مجموعہ کتب حیات الانبیاء علیہم السلام

نمبر شمار	کتاب	مصنف	جلد نمبر	صفحہ نمبر
۱	حیاۃ الانبیاء علیہم السلام	امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ / مولانا نیاز احمد اوکاڑوی	۱	۷
۲	الهدیة السنية فی انتخاب کلام ابن تیمیه	شیخ الاسلام احمد ابن تیمیہ رحمہ اللہ / مولانا محمد عمران	۱	۲۱
۳	باب المفتوح من کتاب الروح	امام شمس الدین ابی عبداللہ ابن قیم الجوزی رحمہ اللہ	۱	۵۹
۴	جزء حیاۃ الانبیاء علیہم السلام من شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام	علی بن عبدالکافی تقی الدین السبکی الشافعی رحمہ اللہ	۱	۱۱۷
۵	منتخب: حیاۃ الانبیاء علیہم السلام من الصلات والبشر فی صلاۃ علی خیر البشر	مجد الدین محمد بن یعقوب الفیروز آبادیؒ	۱	۱۳۷
۶	رسالہ حیات الانبیاء ترجمہ انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء	امام جلال الدین سیوطی الشافعی رحمہ اللہ	۱	۱۶۱
۷	عالم برزخ	// // //	۱	۱۸۵
۸	دافعة الشقاق والخلاف حیاۃ الانبیاء فی قبورهم	سیدی علامہ احمد بن حجر الہیتمی رحمہ اللہ	۱	۲۳۷
۹	حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی انباء الانبیاء فی حیاۃ الانبیاء	الامام ابوالحسن بن محمد صادق السندی الصغیر رحمہ اللہ	۱	۲۴۹
۱۰	منتخب: من عاش بعد الموت	الحافظ ابی بکر بن ابی الدنیا رحمہ اللہ	۱	۳۳۵
۱۱	آب حیات	حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ	۱	۳۵۳
۱۲	جمال قاسمی (متعلقہ حصہ عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	// // //	۱	۵۱۹
۱۳	حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی آب حیات، مسئلہ حیات الانبیاء علیہم السلام	حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ	۱	۵۳۱
۱۴	عالم برزخ	// // //	۱	۵۳۹
۱۵	مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت	حضرت مولانا منظور احمد نعمانی لکھنوی رحمہ اللہ	۱	۵۷۳
۱۶	شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین غور غشتوی کا عقیدہ	حافظ نثار احمد الحسینی رحمہ اللہ	۱	۵۸۳
۱۷	القول النقی فی حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	حضرت مولانا محمد عبداللہ بہلوی رحمہ اللہ	۲	۳
۱۸	عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت رائے پوری رحمہ اللہ کا ارشاد گرامی	حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمہ اللہ	۲	۲۹
۱۹	معارف شیخ (منتخب حصہ)	حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ	۲	۳۵